محترمہ جمیلہ شوکت
شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی

ابنِ عبدِ ربہٖ

نام اور نسب

ابن عبد ربہ کا نام و نسب یہ ہے: شہاب الدین ابو عمر احمد بن محمد بن عبد ربہ بن حدیر[1] ابن حبیب بن سالم القرطبی مولیٰ ہشام بن عبدالرحمان معاویہ بن عبدالملک بن مروان الاموی[2]۔ ابن خاقان نے ابن عبد ربہ کی کنیت ابو عمرو[3] بتائی ہے۔ لیکن ابن عبد ربہ کے معاصر شاعر یحییٰ القلفاط کے اس شعر سے اس کی تردید ہوتی ہے:

فسود عیبنی سرأ من ابی عمر[4]

ابتدائی حالات

ابن عبد ربہ ۱۰ رمضان ۲۴۶ھ - ۲۹ نومبر ۸۶۰ء کو بمقام قرطبہ پیدا ہوا[5]۔ اس کی اوائل زندگی کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔ وہ ماحول اور خاندان جس میں اس نے نشوونما پائی پردۂ خفا میں رہے۔ صرف اتنا معلوم ہوسکا ہے کہ اس کا دادا اندلس کے دوسرے اموی خلیفہ ہشام بن عبدالرحمان الداخل کا آزاد کردہ غلام تھا۔ ابنِ عبدِ ربہ نے قرطبہ ہی میں تربیت پائی[6] اور یہیں تعلیم حاصل کی۔

---

[1] یاقوت حموی نے حدر لکھا ہے۔ لیکن ناشر نے حاشیہ میں تصحیح کر دی ہے، یاقوت ۲: ۶۷)

[2] ابن خلکان، ۱: ۴۳۷ ابن الفرضی ۱: ۳۷، الضبی، ۳۷ بغیۃ الملتمس۔

[3] ابن خاقان، ۵۱ [4] المقری، ۲: ۱۹۱۔

[5] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ۳: ۳۵۳۔

[6] ابن الفرضی، ۱: ۳۷، تاریخ علمائے اندلس۔

ابنِ عبدربہ نے غربت اور افلاس کی گود میں آنکھ کھولی لیکن بہت جلد ذہانت و فطانت کی بدولت اندلس کی تاریخِ ادب میں نمایاں مقام حاصل کر لیا[51] اور اسے خلفائے وقت کے دربار میں رسائی حاصل ہو گئی۔ جس کے بعد اس کی شہرت مشرق و مغرب میں پھیل گئی۔

جہاں تک ابن عبدربہ کے اساتذہ کا تعلق ہے سوائے ابن الفرضی کے کسی نے اس کی طرف ہماری راہنمائی نہیں کی۔ وہ کہتا ہے کہ ابن عبدربہ نے فقہ کی تعلیم خشنی بقی بن مخلد[52] اور ابن وضاح[53] جیسے چوٹی کے علما سے حاصل کی[54] اس کے علاوہ اس نے تمام مروجہ علوم مثلاً تاریخ، جغرافیہ، فلسفہ، موسیقی وغیرہ میں بھی دسترس حاصل کی لیکن ان تمام علوم میں سے شاعری کی طرف اس کا رجحان زیادہ تھا۔[55]

قرطبہ کی تمدنی اور معاشی حالت

قرطبہ، جیسا کہ ہمیں مختلف مصادر سے معلوم ہوتا ہے، اس زمانے میں علم و ادب اور تمدن و حضارت کا گہوارہ تھا۔ مغرب میں اسے وہی مقام حاصل تھا جو مشرق میں بغداد کو، قرطبہ میں بھی بغداد کی طرح "الرصافہ"[56] تھا۔ قرطبہ کے بارے میں ابن حزم کا قول نقل کرتے ہوئے المقری کہتا ہے:

انّ قرطبة مسقط رؤسنا ومعلق ثقافتنا۔[57]

دوسری جگہ کہتا ہے:

فی جوانبه من البساتین والمروج ما زاده نضارةً و بهجة۔[58]

---

[51] یاقوت، ۲: ۶۸

[52] بقی ابن مخلد بن یزید القرطبی م ۲۷۶ھ (یاقوت، ۲: ۳۶۸)

[53] ابن وضاح ۔ م ۲۸۶ (الدیباج، ۲۳۹)

[54] ابن الفرضی، ۱: ۳۷

[55] یاقوت، ۲: ۳۶۸

[56] معجم البلدان، ۳: ۴۶

[57] المقری، ۲: ۱۲۸

[58] المقری، ۲: ۱۵۲

اہلِ اندلس علم و ادب کے بہت شوقین تھے، وہ اس جذبے کی تسکین کے لیے مشرق جیسے دور دراز ملک کا سفر اختیار کرتے اور اساتذہ سے مستفید ہوتے، اسی طرح اہلِ مشرق بھی اندلس میں تحصیلِ علم کے لیے آتے۔ مقری نے ایسے لوگوں کی ایک طویل فہرست دی ہے[۱]۔ اندلس کی اموی حکومت بغداد کی عباسی حکومت کی حریف تھی، اہلِ اندلس مشارقہ میں کسی میدان میں بھی پیچھے رہنا نہیں چاہتے تھے، وہ علمی و ادبی نہضت میں مشارقہ کا تتبع کرتے کیونکہ بغداد ان دنوں علم و ادب اور تمدن و حضارت کا گہوارہ تھا۔ خلفا نے عوام کے لیے مدارس اور لائبریریاں قائم کیں۔ کثیر رقم خرچ کرکے دیگر ممالک سے کتابیں فراہم کیں، ان عوامی لائبریریوں کے علاوہ ذاتی لائبریریاں بھی قائم ہوئیں۔ حکم ثانی کی ذاتی لائبریری میں چار لاکھ کتب کا ذخیرہ موجود تھا[۲]۔ اسی خلیفہ نے کتاب الاغانی کے مصنف ابوالفرج کو ایک ہزار دینار صرف اس غرض سے بھیجے کہ وہ کتاب مکمل ہونے پر پہلا نسخہ اسے بھیجے[۳]۔ اس ادبی سرگرمی کا دائرہ صرف امرائے عرب اور موالی تک ہی محدود نہ تھا بلکہ مسیحی بھی علومِ عربیہ کے بڑے دلدادہ تھے۔ ان کا پادری یولوجیوس (EULOGIUS) کہتا تھا کہ مسیحی اپنی زبان بالکل بھول گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ہزار میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں جو لاطینی کا ایک کلمہ تک صحیح لکھ سکے[۴]۔

دارالخلافہ قرطبہ اس زمانہ کا بہترین شہر تھا۔ اس کی تعریف کرتے ہوئے لین پول کہتا ہے:

> CORDOVA, ... WAS INDEED A CAPITAL TO BE PROUD OF; AND EXCEPT PERHAPS BYZANTIUM, NO CITY OF EUROPE COULD COMPARE WITH HER IN THE BEAUTY OF HER BUILDINGS, THE LUXURY AND REFINEMENT OF HER LIFE, AND THE LEARNING AND ACCOMPLISHMENTS OF HER INHABITANTS.

---

[۱] المقری ۲ : ۱۵ بعد
[۲] نکلسن، ۴۱۹
[۳] نکلسن، ۴۱۹
[۴] SPANISH ISLAM, P 268
[۵] Lane-Poole, S., THE MOORS IN SPAIN. (London: T. Fisher, 1889, P. 85.

اہلِ اندلس کو غنا سے خاص لگاؤ تھا۔ ملک کے مختلف گوشوں سے مغنی قرطبہ آتے اور شرفائے شہران کی حوصلہ افزائی کرتے۔ زریاب مغنی بھی اسی عہد کا ایک نامور موسیقار ہے۔[1] یہ تھا وہ ماحول جس میں ابنِ عبدربہ نے جوانی کی منزلیں طے کیں۔

اخلاق و عادات

جہاں تک ابن عبدربہ کی شکل وصورت کا تعلق ہے، وہ واقعہ جو اس کے اور شاعر القلفاط کے درمیان پیش آیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رنگ گندمی، قد کوتاہ اور ٹانگوں میں کچھ نقص تھا۔[2]

ابن عبدربہ زندگی کے بیشتر حصے میں ایک ظریف ادیب نظر آتا ہے۔ وہ خوشی اور طرب کی تلاش میں رہتا۔ موسیقی سے بھی اسے خاص دلچسپی تھی۔ فتح بن خلقان نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ابن عبدربہ ایک دفعہ قرطبہ میں کسی امیر کے محل کے نیچے سے گزر رہا تھا کہ اچانک اس کے کان میں گانے کی آواز پڑی۔ گانے کی آواز نے اس کے حواس کو مشتعل اور عقل کو مختل کر دیا۔ رک گیا اور صاحبِ قصر کو یہ اشعار لکھ بھیجے۔[3]

یا من یضن بصوت الطائر الغراد	ما کنت احسب ھذا البخل فی احد
لو ان سماع اھل الارض قاطبه	اصغت الی الصوت لم ینقص ولم یزد
فلا تضن علی سمعی تقلده	صوتاً یجول مجال الروح فی الجسد
اما النبیذ فانی لست اشربه	ولست اٰتیک الا کسرتی بیدی

۱۔ اے وہ شخص جو (دوسروں کو) چہچہانے والے پرندہ کی آواز (سننے کے معاملہ میں) بخل کرتا ہے، میں نہیں خیال کرتا کہ کوئی شخص اتنی معمولی سی چیز کے لیے بخل کرتا ہو۔

۲۔ اگر تمام اہل زمین کے کان بھی اس آواز کی طرف متوجہ ہو جائیں تو یہ چیز اس کی آواز کو نہ کم کرے گی اور نہ زیادہ۔

---

[1] نکلسن، ۴۱۸

[2] المقری، ۲: ۱۹۱

[3] مطمح ۵۱؛ ارشاد الاریب ۲: ۶۸؛ ضبی، ۱۳۸

۳۔ تو مجھ سے نغمہ سن لینے میں بخل نہ کر، بلکہ اس آواز کے ساتھ مجھ پر احسان کر، وہ آواز جو جسم میں روح کی طرح جولانی کر رہی ہے۔

۴۔ جہاں تک نبیذ کا تعلق ہے وہ میں پیتا نہیں اور میں تیرے پاس نہیں آؤں گا مگر اس طرح کہ میرے ہاتھ میں میرا (اپنا) روٹی کا ٹکڑا ہوگا۔

محل کے مالک نے جونہی یہ اشعار پڑھے، نیچے دوڑا آیا اور ابن عبد ربہ کو اپنے ساتھ اندر لے گیا۔

ابن عبد ربہ العقد میں غنا کے متعلق یوں کہتا ہے:

و بعد فهل خلق الله شيئاً اوقع بالقلوب و اشد اختلاسا للعقول من الصوت الحسن لا سيّما اذا كان من وجه حسن[1]

دوسری جگہ وہ نبیذ اور غنا کی حمایت ان الفاظ میں کرتا ہے:

دیننا فی السماع دین مدینی وفی شربنا الشراب عراقی[2]

گانا سننے میں ہمارا طریقہ اہلِ مدینہ کی طرح ہے اور شراب پینے میں ہم اہلِ عراق کا تتبع کرتے ہیں۔

یہ شعر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ابن عبد ربہ شراب بھی پیتا تھا۔ لیکن اس کا یہ شعر اس کی نفی کرتا ہے:

اما النبيذ فانی لست اشربه[3]

لیکن سوائے اس ایک شعر کے ہمیں اس کا کوئی ایسا شعر نہیں ملتا جو اس بات کی تائید کرے۔ وہ اپنے دوسرے اشعار میں شراب کی صرف توصیف ہی نہیں کرتا بلکہ وہ دوسروں کو پینے کی دعوت بھی دیتا ہے۔ جہاں تک اس شعر کا تعلق ہے اس کی کئی تاویلیں کی جاسکتی ہیں۔ یہ کہ

---

[1] العقد الفريد ۷: ۴

[2] مدینی سے مراد امام مالکؒ ہیں وہ سماع کو جائز سمجھتے تھے اور عراقی سے مراد امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ وہ نبیذ کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ (یتیمۃ الدھر ۲: ۸)

[3] یاقوت، ۲: ۶۸

وہ نبیذ نہ پیتا ہو بلکہ اس سے قوی شراب کا شائق ہو یا اس کا یہ مقصد ہو کہ وہ صاحب قصر کی شراب اور روٹی کا طالب نہیں بلکہ صرف گانا سننے کا شائق ہے۔

شراب کے متعلق وہ یوں کہتا ہے:

وحاملة راحًا علی راحة الید ... موردة تسعی بلون مورد

مشی تری الا بریق للکاس راکعاً ... تصلی له من غیر طهر و تسجد

علی یاسمین کاللجین ونرجس ... کا قراط در فی قضیب زبرجد

تهتك وهذی فاله لیلك کله ... وعنها فسل لاتسل الناس عن غد[1]

۱۔"اور کتنی ہی شراب کو ہتھیلی پہ اٹھا کر لانے والی عورتیں ایسی ہیں جو سرخ لباس میں ملبوس ہیں اور سرخ رنگ (کی شراب) کو تیزی سے لاتی ہیں۔

۲۔جب ان میں سے کوئی دیکھتی ہے کہ صراحی پیالے کی طرف رکوع کر رہی ہے تو وہ اس کے لیے بغیر پاکیزگی کے نماز پڑھنے لگتی ہے اور سجدہ کرتی ہے۔

۳۔چنبیلی پہ جو چاندی کی طرح ہے اور نرگس پہ جو زمرد کی ٹہنیوں پہ موتیوں کی بالی کی طرح ہے۔

۴۔اس شراب اور اس (ساقیہ) کے ساتھ رات بھر لطف اندوز ہو تا رہ اور اس کے بارے میں پوچھ اور لوگوں سے کل کے بارے میں سوال نہ کر۔"

ہمیں اس کے بعض اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عورتوں کی مجالس میں بھی اٹھتا بیٹھتا تھا۔ زندگی کے آخری ایام میں جیسا کہ اس کے اشعار سے مترشح ہے وہ اس لہو و لعب کی زندگی سے تائب ہو گیا تھا۔ یہاں یہ ابو نواس سے مماثلت رکھتا ہے جو خلیفہ امین کے قتل کے بعد شراب اور رنگ رلیوں کی محفلوں سے تائب ہو کر پاکیزہ زندگی کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ ابن عبد ربہ نے بھی آخری ایام میں غزل گوئی ترک کر دی اور زہد و تقویٰ پر اشعار کہنے لگا جس کا نام اس نے "ممحصات"[2] رکھا۔ ان اشعار کے ذریعے اس نے سابقہ عشق و مستی کی شاعری کا اسی بحر

---

[1] یتیمة الدہر، ۲:۲۷، العقد، ۶:۲۵۴

[2] یاقوت حموی ۲:۲۷، ۶۹

اور قافیے میں ناصحانہ اور زاہدانہ شاعری کے ذریعے جواب دیا۔ وہ اپنی گزشتہ زندگی پر ایک نادم شخص کی طرح نظر ڈالتے ہوئے کہتا ہے :

زمان کان فیہ الرشد غیًّا وکان الغیّ من رشادی[1]

ایک ایسا زمانہ بھی تھا جب میں بھلائی کو سرکشی (سمجھتا تھا) اور سرکشی کو بھلائی خیال کرتا تھا۔

ابن عبد ربہ شعرائے وقت کی طرح دربار اموی سے وابستہ ہوگیا۔ شاہی دربار تک اس کی رسائی کس طرح ہوئی؟ کسی نے اس کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ خلفائے وقت جو بڑے علم دوست اور ادب نواز تھے، ان کی دعوت پر وہ دربار سے منسلک ہوگیا ہو یا انھوں نے اس کے بلند پایہ اشعار کا شہرہ سن کر اس کو اپنا مقرب بنا لیا ہو۔ دربار سے وابستہ ہونے کے بعد وہ خلفا کی مدح سرائی میں مصروف ہوگیا۔

مذہب

مقری کہتا ہے اہلِ اندلس ابتدا میں اوزاعی مذہب کے پیرو تھے، لیکن حکم بن ہشام کے عہد سے انھوں نے مالکی مذہب اختیار کر لیا تھا[2]۔ ابن عبد ربہ بھی مالکی مذہب کا پیرو تھا لیکن وہ تعصب سے دور تمام مذاہب کی قدر کرتا اور غلو سے بچتا تھا۔ لیکن اس کی کتاب العقد کا مطالعہ کرنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ وہ شیعیت کی طرف میلان رکھتا تھا۔ اس خیال کا اظہار ابن کثیر صاحب البدایہ نے بھی کیا ہے[3]۔ بظاہر یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ وہ بنو امیہ کا مولیٰ تھا اور بنی امیہ آلِ علیؓ کے سخت دشمن تھے۔ لیکن جب ہم اوراقِ تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ تعجب دور ہو جاتا ہے۔ ابو الفرج الاصفہانی گو بنی امیہ کے موالی میں سے تھا لیکن وہ عقیدے میں ابن عبد ربہ سے زیادہ شیعی مذہب کی طرف مائل تھا۔ لیکن مقری اس کے برعکس ابو عبیدہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "میرے والد کے پاس ایک کتاب تھی جس میں ابن عبد ربہ کا ایک اُرجوزہ تھا۔ اس میں اس نے معاویہ کو چوتھا خلیفہ

---

[1] یتیمۃ الدھر، ۲: ۶۹ [2] مقری، ۲: ۱۵۸

[3] البدایہ، ۱۱: ۱۹۴

شمار کیا ہے۔ اور حضرت علیؓ کا ذکر تک نہیں کیا[۱]۔ اسی طرح ابن خلکان منذر بن محمد کے بارے میں ابن عبد ربہ کے اشعار نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب فاطمی خلیفہ معز کو اس قصیدے کی خبر پہنچی تو وہ بہت مشتعل ہوا۔ اس کے درباری شاعر الایادی التونسی (ابو الحسن علی بن محمد) نے بھی اس کے جواب میں اشعار کہے جو یہ ہیں[۲]:

ربع لزینب قد درس　　　واعتاض من نطق خرس

"زینب کا ایک گھر ہے جو مٹ گیا ہے اور جس نے گویائی کے بدلے گونگا پن اختیار کر لیا ہے۔"

لیکن ان دونوں روایتوں پر ہم بالکلیہ اعتماد نہیں کر سکتے، کیونکہ جس ارجوزہ کا ذکر ابو عبید کرتے ہیں وہ ہم تک نہیں پہنچا۔ دوسرے یہ کہ ہمارے پاس اس سے زیادہ مستند چیز اس کی کتاب ہے جو اس خیال کی تردید کرتی ہے۔ رہی ابن خلکان کی روایت تو وہ قصیدہ جس کا انھوں نے ذکر کیا ہے ہم تک نہیں پہنچ سکا۔ دوسری بات یہ کہ منذر بن محمد اور فاطمی خلیفہ معز کے عہدِ خلافت میں نمایاں فرق ہے[۳] اس رو سے بھی یہ روایت ضعیف معلوم ہوتی ہے۔

مغربی عصبیت

مغرب کی یہ اموی حکومت مشرق کی عباسی سلطنت کی حریف تھی اور یہ مخالفت صرف میدانِ سیاست تک ہی محدود نہ تھی بلکہ یہ حریفانہ جذبہ میدانِ علم و ادب پر بھی غالب نظر آتا ہے۔ اندلس کے عرب و موالی ہر میدان میں مشارقہ کو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ وہ کسی میدان میں بھی ان سے کم تر نہیں۔ مقری نے اس فخر و مباہات کے لیے ایک خاص باب وقف کیا ہے جو اہلِ اندلس، اہلِ بغداد پر کرتے ہیں۔ اس باہمی مقابلے سے ایک اچھا نتیجہ یہ پیدا ہوا کہ

۱۔ جبرائیل جبور (ص ۶۶) نے المقری (طبع ۱۲۷۹ھ، ۱: ۵۸۶) کا حوالہ دیا ہے مگر المقری کی یہ کتاب دستیاب نہیں ہو سکی۔

۲۔ ابن خلکان، ۱: ۳۴

۳۔ منذر بن محمد ۲۷۳ھ میں خلیفہ بنا لیکن معز ۳۴۱ھ میں۔ دیکھیے:

(MOHAMMADAN DYNASTIES) (7, 21).

مغرب کی یہ نوزائیدہ اموی سلطنت علم و ادب، صنعت و حرفت وغیرہ ہر لحاظ سے عباسی حکومت کی سطح پر آ گئی۔ لہٰذا بہترین علما، ادبا، فقہا، محدثین، اطبا، فلسفہ میں دسترس رکھنے والے اور فلکیات کے ماہر پیدا ہوئے، جن کی گونج نہ صرف عالم اسلامی بلکہ یورپ میں بھی سنائی دیتی ہے اور حق تو یہ ہے کہ یورپ تہذیب و تمدن، علم و ہنر اور صنعت و حرفت غرض ہر میدان میں اندلس کا رہینِ منت ہے۔

اس عہد کے ادبا و شعرا کا رجحان یہ تھا کہ وہ جب مشرق میں کسی ادیب، شاعر یا عالم کا چرچا سنتے تو اس کی تقلید کی کوشش کرتے اور ہر طرح سے اسے نیچا دکھانے کی سعی کرتے۔ ابن عبد ربہ کا اس طرف میلان اتنا شدید نہ تھا جتنا اس کے پیش رو علما اور ادبا کا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس نے اپنی کتاب کا بیشتر حصہ اہلِ مشرق کے حالات کے لیے وقف کیا ہے۔ لیکن وہ اس تعصب سے بالکل عاری نہیں۔ وہ اکثر مقامات پر مشرق کے ادبا و شعرا سے مقابلہ کرتا نظر آتا ہے۔ اپنے مقدمہ میں کہتا ہے:

وحليت كل كتاب منها بشواهد من الشعر تجانس الاخبار فی معانيها و توافقه فی مذاهبها و قرنت بها غرائب من شعري ليعلم الناظر فی كتابنا هذا ان لمغربنا على قاصيته و بلدنا على انقطاعه حظًّا من المنظوم و المنثور[1]

جب وہ مشرق کے کسی شاعر کے اشعار بطور نمونہ پیش کرتا ہے تو پھر اسی موضوع اور اسی ردیف میں اپنے اشعار بھی لاتا ہے۔ صریع الغوانی کا مقابلہ اس میں یوں کرتا ہے۔

مطلع صریع الغوانی: ادیرا علی الراح لا تشربا قبلی

(شراب کو گھماؤ اور مجھ سے پہلے نہ پیو)

مطلع ابنِ عبد ربہ: اتقتلنی ظالما و تجحدنی قتلی[2]

(کیا تم مجھے ظلم سے قتل کرو گے اور پھر اس سے انکار کرو گے)

---

[1] العقد ۱: ۳
[2] ایضاً ۶: ۲۱۱

وہ اپنے ممدوحین کی خوب تعریف کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود اس کے قصائد مبالغہ سے مبرا ہیں ۔ وہ عبدالرحمان الداخل کو "صقر قریش"[1] کہتا ہے، اسی طرح خلیفہ الناصر کے غزوات کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

ولم یکن مثل ھذہ الغزوات للملک من الملک فی الجاھلیۃ والاسلام[2]

لیکن عصبیت کا یہ عنصر کچھ زیادہ اہم نہیں ۔ اس نے اپنی کتاب میں اہلِ اندلس کے حالات بہت کم لکھے ہیں کیونکہ ابن عبد ربہ اس بات کو اچھی طرح جاننے کے باوجود کہ ان کا اپنا ملک علم و ادب میں کم نہیں، یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ علوم عربیہ مشرق کی پیداوار ہیں اور وہیں اس کی تربیت اور نشوونما ہوئی ہے ۔ دوسرے یہ کہ اس زمانے میں اہلِ مغرب مشارقہ کی کتابوں کو بڑے شوق سے پڑھتے تھے، حتیٰ کہ جس گھر میں ابن قتیبہ کی کتاب نہ ہوتی اس کو وہ اچھا نہ سمجھتے ۔ لہٰذا اس نے اپنے ہم وطنوں کی ادبائے مشارقہ سے یہ عقیدت دیکھ کر اپنی کتاب کا بیشتر حصہ ان کے لیے مخصوص کر دیا ۔ چنانچہ ابتدا میں اہلِ اندلس مشرق کا سفر اختیار کرتے تھے لیکن اب مشرق خود اس کی کتاب میں سفر کر کے اندلس آ گیا تھا[3] ۔ بعض تنقید نگاروں نے اس بات پر کڑی تنقید بھی کی ہے ۔ ابوعلی الحسن بن عمر احمد التمیمی القیسروانی اس کوتاہی کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں:

ان یلحقہ فیہ بعض اللوم لاسیما اذ لم یجعل فضائل بلدہ واسطۃ عقدہ ومناقب ملوکہ یتیمۃ سلکہ[4] ۔

قصہ مشہور ہے کہ جب الصاحب ابن عباد (م ۳۸۵ھ) وزیر آل بویہ نے مشرق میں اس کتاب کا چرچا سنا تو نہایت اشتیاق سے اس کے مطالعہ کی خواہش ظاہر کی، لیکن جب دیکھی تو مشارقہ کے حالات سے مملو پائی اور کہا:

ھذہ بضاعتنا ردت الینا ظننت ان ھذا الکتاب یشتمل علی شیء من

---

[1] العقد، ۵: ۲۱۴ [2] العقد، ۵: ۲۲۴ ببعد

[3] العقد، الف، ط، ی [4] مقری، ۲: ۱۲۶

اخبار بلادھم۔[1]

بحیثیت ناقد

ابن عبد ربہ جب متاخرین و متقدمین کی شاعری پر تنقید کرتا ہے تو ابن قتیبہ کا ہم خیال نظر آتا ہے۔ ابن قتیبہ سے پہلے صرف متقدمین کے اشعار کو اچھا سمجھا جاتا تھا، لیکن ابن قتیبہ نے فن تنقید نگاری میں انقلاب پیدا کیا اور حسن و قبح کا معیار شعر کی عمدگی اور پستی کو ٹھہرایا۔[2] ابن عبد ربہ تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے:

واعلم انک منی فنظرت بعین الانصاف وقطعت بحجۃ العقل ان لکل ذی فضل فضلہ ولا ینفع المتقدم تقدمہ ولا یضر المتاخر تاخیرہ۔[3]

ہم عصر شعرا

اس زمانے میں علم و ادب اپنے نقطۂ عروج پر تھا۔ ادبا اور شعرا اتنی کثیر تعداد میں تھے کہ ان کا فرداً فرداً ذکر کرنا مشکل امر ہے۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی بڑی باذوق اور علم و ہنر کی دلدادہ تھیں۔ انھوں نے بھی مردوں کے دوش بدوش علم و ادب میں نام پیدا کیا، لیکن جو مرتبہ ابن عبد ربہ نے حاصل کیا اس کے ہم عصر شعرا میں سے کوئی اس تک نہ پہنچ سکا۔

ابن عبد ربہ کے اپنے خاندان میں کئی افراد صاحب علم و دانش تھے۔ اس کا بھتیجا ابو عثمان سعید ایک مشہور ادیب، طبیب اور ماہر فلکیات تھا۔ طب میں اس کا بہترین ارجوزہ ہے۔ ابن ابی اصیبعہ نے ابو زکریا کی روایت سے اس کے کچھ اشعار اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں۔[4] ان اشعار کے علاوہ ہمیں اس کے وہ اشعار بھی ملتے ہیں جو اس نے اپنے

---

[1] یاقوت، ۲: ۷۶، ابن عباد کا قول قرآن کی مندرجہ ذیل آیت سے ماخوذ ہے: قالوا یاابانا ما نبغی ط هذه بضاعتنا ردت الینا ونمیر اھلنا ونحفظ اخانا ونزداد کیل بعیر ط ذلک کیل یسیر (یوسف: ۶۵)

[2] کتاب الشعر، ۵۲ [3] العقد، ۶: ۲۰۵

[4] ابن ابی اصیبعہ، ۲: ۴۴، الضبی، ۲۱۵

چچا ابن عبد ربہ کو اپنی بیماری کے دوران لکھے۔[۱]

اس کے علاوہ محمد بن ہشام بھی اسی عہد کا ایک شاعر اور ادیب ہے۔ اس نے شعرائے اندلس پر ایک کتاب بھی لکھی، صاحب بغیۃ الملتمس نے اس کے بھی اشعار نقل کیے ہیں جو اس کی علمی استعداد کا پتہ دیتے ہیں۔

ان کے علاوہ ابو عمرو الکلبی، جو ابن عبد ربہ کا دوست تھا، ایک ادیب اور شاعر تھا۔ ایک دفعہ یہ ابن عبد ربہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ کسی نے گنڈیریوں کا طشت بطور تحفہ بھیجا، ابن عبد ربہ نے شکریہ میں چند اشعار کہے:

بعثت یا سیدؐ احلوالا نابیب عذب المذاقۃ مخضّر الجلابیب

کانما العسل الماذی شیب بہ

اے محترم! آپ نے شیریں ذائقہ والی گنڈیریاں بھیجیں، جن کا چھلکا ابھی سرسبز (یعنی تروتازہ) ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ شہد ملایا گیا ہے۔

الکلبی کہتا ہے کہ تین مصرعے لکھنے کے بعد ابن عبد ربہ رک گیا اور آگے نہ لکھ سکا۔ لہٰذا مجھ سے مصرع پورا کرنے کی درخواست کی تو یہ مصرع لگایا۔ ع

لابل یزید علی الماذیّ فی الطیب[۲]

یعنی وہ خوشبو میں شہد سے بھی بڑھ گئی ہیں۔

ابن عبد ربہ اس سے شعر مکمل کرنے لگا تو اسے یہ استعارہ پسند نہ آیا۔ کچھ دیر سر جھکائے بیٹھا رہا، پھر یہ مصرع لگایا:

او ریق محمومۃ حادث محبوب[۳]

یا شاید وہ محبوبہ (یا محمومۃ) کا لعاب دہن ہے.....

---

[۱] ابن صاعد، ۷۹؛ ابن ابی اصیبعہ، ۲: ۴۴

[۲] "یزید" لعل ہے۔ ضبی، ۵۱۲ (لیکن یہ درست معلوم نہیں ہوتا)

[۳] ابو عمرو الکلبی کو اس شعر کے متعلق شک ہے۔ (الضبی ۵۱۲ - ۵۱۳)

قلفاط بھی ابن عبد ربہ کا ہم عصر شاعر تھا۔ ان دونوں میں چشمک رہتی تھی۔ ایک دفعہ ابن عبد ربہ کچھ لنگڑا کر چل رہا تھا کہ قلفاط مل گیا۔

بولا: "مجھے آج ہی علم ہوا ہے کہ تمہاری ٹانگ میں کچھ نقص ہے۔"

کہا: "اے ابو محمد! (کنیت قلفاط) تمہاری بیوی نے تمھیں غلط اطلاع دی ہے۔"

قلفاط کو یہ بات ناگوار گزری۔ کہنے لگا۔ "تم حرم پہ رائے زنی کرنے پر کیوں اتر آئے ہو؟" لہٰذا ان الفاظ میں ہجو کر ڈالی:

یا عرض احسن انی مزمع اسغرا　　فودّعینی سرًّا من ابی عمرا

اس کے بعد دونوں ایک دوسرے کی ہجو میں مصروف ہو گئے۔ قلفاط ابن عبد ربہ کو طلّاس (بھوری ڈاڑھی والا) اور اس کی کتاب کو حبل الثوم (لہسن کی رسی) کہا کرتا تھا۔[1]

وفات

اندلس کے اس ادیب پر موت سے چند سال قبل فالج کا حملہ ہوا۔ لہٰذا اسی اثر سے اندلس کا یہ چراغ قرطبہ میں ۸۱ سال ۸ ماہ اور ۸ دن[2] دنیا کو منور کرنے کے بعد اتوار ۱۸ جمادی الاولیٰ ۳۲۸ھ[3] ۳ مارچ ۹۴۰ء کو گل ہو گیا اور پیر کے دن مقبرہ بنی عباس میں دفن کر دیا گیا۔[4]

(باقی آئندہ)

---

[1] المقری، ۲: ۱۹۱، ۱۹۲۔

[2] ابن الفرضی، ۱: ۳۷، یاقوت، ۲: ۶۷، بغیہ میں ۸۱ سال اور ۸ ماہ اس کی عمر مذکور ہے، مقری ۸۲ سال بتاتا ہے، ۲: ۱۹۲۔

[3] ابن خلکان، ۱: ۳۵، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ۲: ۳۵۳۔

[4] ابن خلکان، ۱: ۳۵۔